پہلی صدی ہجری میں

حدیث کی نشر و اشاعت میں ائمہ اہل بیتؑ کا کردار

ڈاکٹر محمد افضل[1]
dr.muhammadafzalkarimi@gmail.com

کلیدی کلمات: سنت، حدیث، علوم حدیث ،اہل بیت، کتاب امام علیؑ، مصحف فاطمہؑ، صحیفہ کاملہ

خلاصہ

اسلام میں قرآن کے بعد سنت کو تمام اسلامی تعلیمات کی تشریح میں منبع قرار دیا جاتا ہے۔تاہم مکتب اہل بیت کی نگاہ میں سنت صرف پیغمبر اکرم ﷺ کے قول، فعل اور گفتار تک محدود نہیں، بلکہ اس میں سب ائمہ اطہارؑ کے اقوال، افعال اور گفتار بھی شامل ہیں۔ حدیث چونکہ سنت کی حکایت کا نام ہے۔ اسی بنا پر جو بھی فضیلت ،اہمیت اور ضرورت سنت کے بارے میں بیان ہوئی ہے وہ حدیث کے لیے بھی ثابت ہے۔ حدیث قرآن کے ساتھ مل کر، تاریخ اسلام کی تقریبا پندرہ صدیوں کے دوران دین و شریعت کے فہم و ادراک میں مسلمانوں کے لئے بنیادی کردار ادا کرتی آئی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات مبارک کے بعد ائمہؑ نے حدیث کی نشرواشاعت کے لیے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ائمہ نے اس مقصد کے حصول کے لئے احادیث کو لوگوں کے سامنے بیان کیا،احادیث کے نقل و ضبط کی حوصلہ افزائی فرمائی اور احادیث کے مجموعے تدوین کیے۔ اگرچہ قرن اول کو اسلامی تاریخ میں حدیث کے حوالے سے اچھے عنوان سے یاد نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس قرن میں نہ صرف مختلف احادیث رسول ﷺ کو جلایا گیا بلکہ اس کے ساتھ نقل اور نشر حدیث کرنے والے صحابہ اور تابعین کو اذیت اور آزار سے دوچار کیا گیا۔لیکن اس کٹھن مرحلے میں جب بھی فرصت میسر ہوئی ائمہ اہل بیتؑ نے تشنگان حدیث کو سیراب کیا۔

مقدمہ

اسلام میں قرآن کے بعد سنّت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔مکتب اہل بیت کی نگاہ میں سنت کا دائرہ دوسرے اسلامی مکاتب کی نسبت وسیع تر ہے ۔لہٰذا سنت صرف پیغمبر اکرم ﷺ کے قول ، فعل اور گفتار تک محدود نہیں، بلکہ اس میں تمام ائمہ اطہارؑ کے قول ، فعل اور گفتار بھی شامل ہیں ۔ اسی لیے علما جب سنت کی تعریف کرتے ہیں تو ''معصوم'' کی قید لگاتے ہیں تاکہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ائمہ اہل بیت بھی شامل ہوں ۔ حدیث چونکہ سنت کی حکایت سے عبارت ہے، اسی بنا پر جو بھی فضیلت،اہمیت اور ضرورت سنت کے بارے میں بیان ہوئی ہے وہ حدیث کے لیے بھی ثابت ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں جو احکام الٰہی بیان ہوئے ہیں، حدیث نے ان احکام کو سمجھنے اور دین و شریعت کے فہم و ادراک میں تاریخ اسلام کی تقریبا پندرہ صدیوں کے دوران مسلمانوں کے لئے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

حدیث کی اہمیت کے پیش نظر، احادیث کے مندرجات و مضامین اور ان کی سند کا جائزہ لینے کے لئے مختلف علوم معرض وجود میں آئے ہیں جنہیں بحیثیت مجموعی علوم حدیث کہا جاتا ہے۔اسی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کے بغیر اسلام کی سمجھ نامکمل ہے ۔یہی وجہ تھی کہ وفات پیغمبر ﷺ کے بعد ائمہ اہل بیت نے حدیث کی نشر واشاعت کے لئے لامحدود کوششیں انجام دیں۔ حدیث کے سلسلے میں مختلف مسلمان حکمرانوں نے جو روش اپنائی تھی وہ نہ صرف صحیح نہیں تھی بلکہ اس عمل سے اسلام کو دور رس

1۔ محقق، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

خطرات بھی لاحق ہونے کے امکانات تھے۔ اسی بنا پر ائمہ اہل بیتؑ نے کسی بھی دور میں حدیث کی نشر و اشاعت کو منجمد نہیں ہونے دیا جس کے ثمر بخش اثرات آج بھی ہمیں مکتب اہل کے "حدیثی منابع" میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

موضوع شناسی

جیسا کہ واضح ہے ہمارے اس مقالے کا موضوع "حدیث کی نشر و اشاعت میں ائمہ اہل بیتؑ کا کردار" ہے۔ اس موضوع کے مفردات کی توضیح یہ ہے کہ عربی لغت میں "اہل" دو چیزوں کے درمیان انس اور محبت کو کہا جاتا ہے۔(1) اس کے بعد یہ لفظ دوسرے مصادیق جیسے خاندان، قوم اور عزیز و اقارب پر اطلاق ہونے لگا۔(2) "بیت" اس مکان اور محل بازگشت کو کہا جاتا ہے جہاں انسان رات گزارتا ہے۔(3)

بنابریں، اہل بیت لغوی اعتبار سے خاندان کے ان افراد پر اطلاق ہوگا جو ایک خاص مکان و محل میں سکون اور محبت کے ساتھ باہم زندگی گزارتے ہیں۔ لغت کے علاوہ اہل بیت کا مفہوم قرآن و سنت کی نگاہ میں خاص لوگوں پر اطلاق ہوتا ہے جن کا تعارف پیغمبر اکرم ﷺ نے خود کرایا ہے۔ قرآن کریم میں سورہ احزاب میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے جس میں اللہ نے اہل بیتؑ کو ہر قسم کی نجاست سے دور رکھنے کی ضمانت دی ہے:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔" (4)

"اے اہل بیت! خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے"

چونکہ یہ آیت سورہ احزاب میں ان آیتوں کے ذیل میں بیان ہوئی ہے جن میں امہات المؤمنین کا تذکرہ ہوا ہے اسی وجہ سے بہت سے مسلمان دانشوروں کا خیال ہے کہ آیت تطہیر میں امہات المومنین بھی شامل ہیں۔ جبکہ دوسری طرف فریقین (شیعہ و سنی) کے مستند منابع میں تقریبا ستر کے قریب ایسی روایات موجود ہیں جن میں اس آیت کا مصداق پنجتن (حضرت محمد ﷺ، امام علیؑ، حضرت زہراؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ) کو ٹھہرایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کی روشنی میں اہل بیت کا اطلاق دیکھا جائے تو یہ بات کھل کے سامنے آتی ہے کہ اہل بیت کا مفہوم خاص افراد پر صادق آتا ہے۔ جس وقت حضرت نوحؑ کے بیٹے نے خود کو اہل نوح سے قرار دیا تو خدا نے اس کے دعوے کو قبول نہیں کیا۔ اگرچہ وہ حضرت نوحؑ کی صلب سے تھے مگر اہل نوح سے قرار پانے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے "إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ" (5)

"بے شک یہ آپؑ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے، یہ غیر صالح عمل ہے"

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اہل بیتؑ پیغمبر ﷺ سے ہونے کے لیے اہم شرط خدا اور اس کے نبی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اہل بیتؑ کو اپنے گفتار اور کردار سے اس کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ نیز اس بات کو واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو اگرچہ اس کا مصداق پنجتن تھے مگر جب پیغمبر اکرم ﷺ کی پوری حیات طیبہ کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کے مفہوم میں اور بھی ایسی شخصیات شامل ہیں جن کو خود پیغمبر نے متعارف کرایا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح مسلم میں انس بن مالک سے مروی روایت اہمیت کی حامل ہے جس میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے اوصیا اور جانشینوں کی پیروی کو عروۃ الوثقی سے متمسک ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ جب ابوذر غفاریؓ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کے بعد کتنے وصی اور جانشین ہوں گے تو پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عدد نقبا بنی اسرائیل فقال کلهم من اهل بیت؟ قال ﷺ کلهم اهل بیتی، تسعة من صلب الحسین علیه السلام والمهدی علیه السلام منهم"

یعنی: "بنی اسرائیل کے نقبا کی تعداد کے برابر ہوں گے ابوذرؓ نے پوچھا کہ سب اہل بیتؑ سے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب میرے اہل بیتؑ سے ہوں گے جن میں سے نو حسینؑ کے صلب سے ہوں گے اور مہدیؑ بھی ان میں سے ہوگا۔(6)

مندرجہ بالا مطالب سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ لغوی اعتبار سے اہل بیت کا مفہوم عمومیت کا حامل ہے جس میں خاندان کا ہر فرد شامل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اہل بیتؑ کا ایک خاص مفہوم بھی ہے جو پیغمبر ﷺ کے فرامین سے سمجھ میں آتا ہے جس میں پنجتن کے علاوہ دوسرے امامؑ

بھی شامل ہیں۔ ان دو مفاہیم کے ساتھ ایک اور مفہوم بھی سامنے آتا ہے جسے ''مفہوم اخص'' کا نام دیا جا سکتا ہے جس میں پنجتن آل عبا شامل ہیں۔ یہ ان روایات سے سمجھ میں آتا ہے جو آیۃ تطہیر کے ذیل میں بیان ہوئی ہیں۔

ہمارے مقالہ کے موضوع کے مفردات میں سے ایک اور مفرد، ''حدیث'' کا کلمہ ہے۔ لغت میں "حدیث" ہر نئی چیز کو کہا جاتا ہے۔(7) اسی بنا پر کم سن افراد کو'' حدث السن'' اور نوجوانوں کو''شاب حدث'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح لغوی اعتبار سے تر و تازہ کھجور کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔(8)

حدیث کا اطلاق اس کے لغوی پہلو (تر و تازہ اور نئی چیز) کو مدّ نظر رکھتے ہوئے بول چال اور گفتار پر بھی ہوتا ہے۔ چونکہ جب انسان بولتا ہے تو الفاظ کی ادائیگی کے دوران اس کے منہ سے نکلنے والے نئے الفاظ گزشتہ الفاظ کی نسبت نئے شمار ہوتے ہیں۔ قرآن کی مختلف آیتوں میں حدیث کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔(9)

''حدیث'' اصطلاح میں اس کلام کو کہا جاتا ہے جو معصوم کی گفتار، عمل اور تقریر کی حکایت کرے۔(10) اس تعریف کی بنا پر حدیث کا مفہوم سنت سے متفاوت نظر آتا ہے چونکہ سنت قول معصوم، فعل معصوم اور تقریر معصوم کو کہا جاتا ہے جبکہ حدیث اس عمل کی حکایت سے عبارت ہے۔

''قرن اول'' ائمہ اہل بیتؑ کی علمی زندگی کا وہ دور ہے جس میں امام علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور امام سجادؑ زندگی گزار رہے تھے۔ اس دور کو تدوین حدیث کے سلسلے میں ائمہ اہل بیتؑ کے لیے ایک سخت اور طاقت فرسا دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جہاں صرف امام علیؑ کو ہی قلیل مدت کے لیے فتنوں کے ہجوم کے ساتھ اقتدار حاصل تھا اس کے باوجود مختلف فتنوں کی وجہ سے انہیں علمی مشاغل کے لیے وقت میسر نہیں ہوا۔ دوسری طرف باقی ائمہ کو ایک طرف تو اقتدار حاصل نہیں تھا جبکہ دوسری طرف حاکمان وقت کی طرف سے تدوین و نشر حدیث کی نہ صرف حوصلہ افزائی نہیں ہو رہی تھی بلکہ انتہائی شدت کے ساتھ تدوین اور نشر حدیث پر پابندی تھی۔ اس پورے دور میں نسبتاً امام سجادؑ کو وقت میسر آیا جس کی وجہ سے آپ کی علمی اور فقہی حیثیت نمایاں ہو گئی۔ مندرجہ بالا مطالب کو موضوع کی اجمالی وضاحت کے لیے بیان کیا گیا تاکہ مقالے کی افادیت واضح ہو جائے۔ موضوع پر جامع انداز میں ذیل میں روشنی ڈالی جا رہی ہے:

حضرت امام علی علیہ السلام اور نشر حدیث

حضرت امام علیؑ نے تیس سال تک شیعوں کی امامت کے فرائض انجام دیے۔ آپ کو گنجینہ علم الٰہی قرار دیا جاتا ہے آپ کی شان میں پیغمبر ﷺ کی یہ حدیث مشہور ہے جس میں آپ نے فرمایا: ''انا مدینة العلم و علی بابها''۔(11) اسی طرح آپ کو سب سے بڑے مفسر قرآن ہونے کے ناطے ''صدر المفسرین'' بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے قرآن سے شدید اُنس کی بنا پر پیغمبر ﷺ نے آپ کی شان میں فرمایا: ''علی مع القرآن والقرآن مع علی''۔(12)

آپؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی طویل صحبت سے اپنے کردار اور گفتار کو نبوی رنگ دے دیا۔ اسی وجہ سے آپ حدیث کا محور اور مصدر قرار پائے اور آپ کی گفتار اور عمل کو سنت کا درجہ حاصل ہوا۔ امام علیؑ نے اپنے دور کے حکام کی تدوین حدیث کی مخالفت کے برعکس تدوین اور کتابت حدیث کی اہمیت کو اپنے گفتار اور عمل سے نمایاں کیا۔ آپ نے قرآن کی جامع تفسیر تحریر کی جس میں شان نزول کے ساتھ تنزیل و تاویل کو بھی بیان فرمایا۔(13) ذیل میں حدیث کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں امام علیؑ کے اہم اقدامات کو ذکر کیا جا رہا ہے:

الف۔ کتاب امام علیؑ

یہ حدیث کا پہلا مجموعہ ہے جسے رسول اکرم ﷺ نے امام علیؑ سے لکھوایا تھا۔ اسے کتاب علیؑ، صحیفہ علیؑ، جامعہ، اور صحیفہ الفرائض سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مجموعے کی تحریر کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ہی شروع ہوا، جبکہ اس کی تکمیل، وفات پیغمبر ﷺ کے بعد امام علیؑ کی حیات مبارکہ میں ہی ہوئی۔(14) اس مجموعے کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر امامؑ نے اسے اپنے جانشین کو امانت کے طور پر دیا۔ اسی

وجہ سے یہ مجموعہ ہر امامؑ کے پاس موجود رہا ہے۔ یہ مجموعہ در حقیقت، اسلامی قانون کی تدوین اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی خاطر تحریر ہوا تھا۔ ائمہ اہل بیتؑ ہمیشہ اہم مواقع پر اسی کتاب کو مرجع و مصدر قرار دیتے تھے اور بوقت ضرورت اسے ایک افتخار اور نمونے کے طور پر اپنے اصحاب اور مخالفین کے سامنے پیش بھی کرتے تھے۔

کتاب بصائر الدرجات میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جن میں صحیفہ علیؑ کی ائمہ اہل بیتؑ کے پاس موجودگی کا تذکرہ ہوا ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ جو کچھ تمہیں بیان کرتا ہوں لکھو۔ امامؑ نے فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو میرے حافظے پر اعتماد نہیں ؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس حوالے سے کوئی خوف نہیں چونکہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ خدا آپ کو فراموشی سے محفوظ رکھے۔ جو کچھ تمہیں بتا رہا ہوں اپنے ساتھ شریک لوگوں کے لیے لکھو۔ امامؑ عرض کرنے لگے کہ میرے شریک کون ہیں ؟آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ امام ہیں جو تمہاری نسل سے ہوں گے۔(15)

اسی طرح ابوبصیر کا کہنا ہے کہ ایک دن امام جعفر صادقؑ سے ارث کے بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا کہ تمہیں کتاب علیؑ میں یہ مسئلہ دکھاؤں؟ میں نے پوچھا کہ کتاب علیؑ ابھی تک موجود ہے؟ امامؑ نے مثبت جواب دیتے ہوئے کتاب علیؑ سے میرے سوال کا جواب دیا۔(16) اس کے بارے میں اور بھی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ اماموں کے پاس موجود رہا ہے اور ائمہؑ کے اصحاب اور شاگردوں نے اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔ ائمہ سے ایسی روایات بھی منقول ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کتاب علیؑ میں حلال و حرام سے متعلق قیامت تک کی تمام ضروریات بیان ہوئی ہیں۔(17) یہ خود اس بات کی شاہد ہے کہ کتاب علیؑ ایک جامع کتاب ہے ،جس میں احکام کے علاوہ اخلاقیات، تفسیر قرآن اور مختلف ایسے واقعات کے متعلق پیشنگوئیاں موجود ہیں جو مسلمانوں میں رونما ہونے والے ہیں۔

ب۔ کتاب فی علوم القرآن

امام علیؑ نے حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے جو گران قدر خدمات انجام دی ہیں انہیں کتاب مذکور کے ذریعے مزید روشنائی ملتی ہے۔ یہ کتاب "ناسخ القرآن و منسوخہ "، "محکمہ و متشابہہ " اور امام علیؑ سے منسوب " تفسیر نعمانی" کے نام سے مشہور ہے۔(18) علامہ آقا بزرگ تہرانی نے بھی اپنی گرانقدر کتاب "الذریعہ " میں اس کتاب کو "نسخ القرآن و منسوخہ و محکمہ و متشابہہ " کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی علما نے اپنی کتابوں میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے معروف عالم دین علامہ سید حسن صدر ہے جنہوں نے اپنی کتاب " تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام" میں شیعوں کی علوم قرآن کی نشر و اشاعت کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں ان کے ذیل میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

"اما سائر انواع علوم القرآن فاول من نوعها و قسمها فهو ایضا علی علیہ السلام امیر المومنین املی ستین نوعا من انواع علوم القرآن و ذکر لکل نوع مثالا۔۔۔" (19)

یعنی: "علوم قرآن کے دوسرے انواع کی تقسیم بندی بھی امام علیؑ نے کی ہے۔ امامؑ نے علوم قرآن کی ساٹھ قسمیں بیان کی ہیں اور ہر قسم کے لیے مثال بھی ذکر کی ہے۔۔۔"

معروف لبنانی عالم دین علامہ سید شرف الدین نے بھی مصحف امام علیؑ کا نام لیتے ہوئے اس جانب اشارہ کیا ہے:

"اما علی و شیعته، فقد قصدوا لذالك فی العصر الاول و اول شئ دوّنه امیر المومنین کتاب الله فانه بعد فراغه من تجهیز البنی ﷺ آلی علی نفسه ان الا یرتدی للصلاۃ الا ان یجمع القرآن فجمعه مرتبا علی حسب النزول و اشار الی عامه وخاصه و مطلقه و مقیده و محکمه و متشابهه و ناسخه و منسوخه" (20)

یعنی: ''علی اور ان کے شیعوں نے قرن اول میں اس کا ارادہ کیا اور امام علیؑ نے پہلی مرتبہ قرآن کی تدوین کا کام کیا۔ امامؑ نے پیغمبر ﷺ کی تجہیز و تکفین کے بعد خود کو اس بات کا پابند بنایا کہ نماز کے لیے چادر اس وقت تک نہیں اوڑھیں گے جب تک قرآن کو جمع نہ کر لیں۔۔ امامؑ نے قرآن کو ترتیبِ نزول کے مطابق جمع کیا اور عام و خاص، مطلق و مقید، محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ کی جانب اشارہ کیا''

ان کے علاوہ بھی کئی علما نے اس کتاب کا نام لیتے ہوئے اس کی ضخامت اور اس کتاب میں ساٹھ قسم کے ''علوم قرآنی'' کی موجودگی کا حوالہ دیا ہے۔(21) ان مطالب سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ امام علیؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی تجہیز و تکفین کے فوراً بعد ہی قرآن کی تنظیم و تدوین کے لیے ضروری اقدام اٹھائے تھے۔ اسی ضمن میں آپؑ نے فہم قرآن سے مربوط تمام ضروری علوم کی تشریح و تبیین بھی فرمائی۔ یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ قرآن کی شان نزول سمیت دوسرے تمام ضروری علوم کو حدیث کے بغیر بیان کرنا ناممکن ہے چونکہ قرآن کی تشریح کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو سونپی تھی اور امامؑ نے علوم نبوی کے حقیقی وارث ہونے کے ناطے پیغمبر کی وفات کے بعد اس اہم کو جاری رکھا۔

ج۔ نہج البلاغہ

حدیث کی اشاعت میں امام علیؑ کی خدمات میں نہج البلاغہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ وہ عظیم کتاب ہے جو فصاحت و بلاغت سے آراستہ ہونے کے ساتھ علمی ذخائر سے مالا مال ہے۔ عرصۂ دراز سے اسے امام علیؑ کی علمی برتری کا ایک عظیم شاہکار قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ارشادات درحقیقت امام علیؑ کے ان الٰہی علوم کا نمونہ ہیں جنہیں آپ نے پیغمبر اکرم ﷺ کے حضور میں حاصل فرمایا اور بوقت ضرورت مختلف ذرائع سے لوگوں تک پہنچایا۔ امام علیؑ کے ارشادات نہج البلاغہ کے علاوہ بھی مختلف اسلامی منابع میں موجود ہیں۔ جن کے بارے میں جستجو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے حاصل وقت سے لوگوں کو بھرپور فائدہ پہنچایا۔

حضرت امام علیؑ کے حوالے سے تاریخ کی ناانصافی کے باوجود اسلامی مصادر میں آپؑ سے منقول احادیث اور ارشادات کی فراوانی، نشر حدیث کے لیے آپؑ کی جہدِ مسلسل کی بہترین دلیل ہے۔ نہج البلاغہ، امام علیؑ کے ان ارشادات پر مشتمل ہے جو آپؑ نے پانچ سالہ حکومت کے دوران ارشاد فرمائے تھے۔ جنہیں سید رضی نے کمالِ تفحص کے ساتھ خطبات، مکتوبات اور کلمات قصار کی شکل میں جمع کیا۔ قرن چہارم میں جب سید رضی نے اس عظیم علمی اور ادبی شاہکار کو جمع کیا تو مختلف مکاتب اور مذاہب کے علما نے اس کا وسیع پیمانے پر استقبال کیا اور اس مجموعے کی مختلف شروحات بھی وقت گزرنے کے ساتھ سامنے آئیں۔ آقا بزرگ تہرانی نے اپنی گرانقدر کتاب ''الذریعہ'' میں ایک سو پچاس شروحات کی نشاندہی کی ہے۔(22)

مذکورہ آثار کے علاوہ مختلف اسلامی منابع میں امام علیؑ سے اور بھی علمی آثار نقل ہوئے ہیں جو امام کی حدیث کے لئے خدمات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک ''کتاب السنن والقضا والاحکام'' ہے۔ یہ کتاب قضاوت سے متعلق مختلف قوانین کی حامل ہے جبکہ فقہی احکام بھی اس کتاب کے مختلف ابواب میں ذکر ہوئے ہیں جنہیں مختلف روایوں (ابورافع، عبید بن رافع، ربیعہ بن سمیع اور محمد بن قیس بجلی) نے امامؑ سے روایت کیا ہے۔(23)

حضرت امام علیؑ کی علمی زندگی کا جائزہ لینے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ نے کتابت کے لیے مختلف کاتبوں کو رکھا تھا جو مختلف موضوعات کے متعلق احادیث تحریر کرتے تھے جن میں امامؑ کا نظریہ بھی شامل ہوتا تھا۔ مختلف علما کی تحریر کردہ کتابوں میں ان کا نام بھی سامنے آیا ہے جن میں ''کتاب السنن والاحکام'' کے مصنف ابورافع،(24) علی بن ابی رافع،(25) ربیعہ بن سمیع،(26) حارث بن عبداللہ ہمدانی،(27) اصبغ بن نباتہ،(28) اور ابن عباس بھی امام علی کے خاص کاتبوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ امامؑ کے کاتب ہونے کے ساتھ خاص شاگردوں میں سے بھی شمار ہوتے تھے۔ اپنی پوری زندگی میں امام علیؑ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے اور اپنے علم کو امام علیؑ کی شاگردی کا حاصل سمجھتے تھے۔

د۔ مصحف فاطمہؑ

ائمہ اہل بیتؑ کے ذکر اور حدیث کی نشرواشاعت میں ان کے کردار کے بیان کے ساتھ ساتھ مادرِ ائمہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حدیث کی نشر و اشاعت کے حوالے سے خدمات انجام کا بیان بھی ضروری ہے۔آپ نے حدیث پر جو صحیفہ تیار کروایا سے "مصحف فاطمہ" یا "کتاب فاطمہ" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔امام علیؑ نے اس علمی ذخیرے کی کتابت خود فرمائی تھی۔اس کتاب کا تذکرہ مختلف علما نے اپنی کتابوں میں کیا ہے جن میں "کتاب الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" کے مصنف آقابزرگ تہرانی (29) اور کتاب بصائر الدرجات کے مصنف معروف محدّث محمد بن حسن بن فروخ صفار قمی کا نام لیا جاسکتا ہے۔(30)

امام حسن علیہ السلامؑ اور نشر حدیث

امام حسن علیہ السلام اپنے والد گرامی کی شہادت کے بعد چالیس ہجری سے پچاس ہجری تک امامت کے منصب پر فائز رہے۔آپ کی نگاہ میں بھی حدیث کی تدوین اور اشاعت اہم امور میں سے شمار ہوتی تھی۔آپ کی حیات مبارکہ میں سیاسی حالات کی ابتری بالخصوص حاکم شام کی آپ سے خصومت اور دوستوں کی بے وفائی کی وجہ سے علمی مشاغل کی انجام دہی کے لیے مناسب وقت میسر نہیں ہوا۔امام علیؑ کی شہادت کے بعد آپ ان کے علمی اور عملی امور کے جانشین تھے۔اسی لئے جہاں تک ممکن تھا آپ نے اپنے والد گرامی کی سنت حسنہ کو برقرار رکھا۔اسی ضمن میں آپ نے اپنے اصحاب اور چاہنے والوں کو علم کی تحصیل، حفظ اور کتابت کے ذریعے محفوظ بنانے کی تاکید فرماتے رہے تاکہ آنے والے اس سے استفادہ کرسکیں۔

امام حسنؑ نے ایک دن اپنے بچوں اور بھتیجوں کو بلاکے انہیں فرمایا: "یابنی و بنیی اخی، انکم صغار قوم یوشك ان تکون کبار آخرین فتعلموا العلم ،فمن لم یستطع منکم ان یرویه فلیکتبه و لیضعه فی بیته" (31) یعنی: "اۓ میرے بیٹو اور بھتیجو: آج تم ملت کے فرزند شمار ہوتے ہو کل اسی ملت کے بزرگوں میں سے شمار ہونا ہے۔پس علم حاصل کرو! اور جس کے لئے روایت کو نقل کرنا ممکن نہیں تو اسے روایات کو لکھ کے اپنے گھر میں محفوظ بنانا چاہئے۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں یہ بات نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد امام علیؑ علم نبوی کے وارث بن گئے۔اس کے بعد امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بالترتیب علم نبوی کے وارث بنے: "ان رسول اللہ ﷺ لما قبض ورث علی علیہ السلام علمه و سلاحه و ما هناك ،ثم صار الی الحسن علیہ السلام ثم صار الی الحسینؑ" (32) اس کے علاوہ ایک اور روایت امام علیؑ کی تمام علمی تحریروں کے امام حسنؑ تک منتقل ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔جیساکہ کتاب بصائر الدرجات میں یہ حدیث امام صادقؑ سے منقول ہے: "ان الکتب کانت عند علی علیہ السلام فلما سار الی العراق استودع الکتب ام سلمه فلما مضی علی علیہ السلام کانت عند الحسن علیہ السلام فلما مضی الحسن علیہ السلام کانت عند الحسین علیہ السلام" (33) یعنی: "امام صادق سے مروی ہے کہ امام علیؑ نے اپنی تمام کتابیں عراق جاتے وقت ام سلمہ کے پاس امانت رکھوائیں۔جب ان کی شہادت ہوئی تو یہ ساری کتابیں امام حسن علیہ السلام کے سپرد کی گئیں اور آپ کی شہادت ہوئی تو یہ امام حسین علیہ السلام کی طرف منتقل ہوگئیں"

ان روایات کے علاوہ بھی مختلف شیعہ اور سنی علما نے امام حسنؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ امامؑ سے کئی راویوں نے روایات نقل کی ہیں۔شیخ طوسی نے انتیس ایسے راویوں کی نشاندہی کی ہے جنھوں نے امام حسن سے روایات نقل کی ہیں۔(34) جبکہ اہل سنت کے معروف عالم ذھبی نے بھی امامؑ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ امام حسن پیغمبر ﷺ اکرم کے خاص اصحاب میں سے شمار ہوتے تھے انہوں نے علیؑ اور فاطمہؑ سے کئی روایتوں کو نقل اور ضبط کیا۔(35)

امام حسین علیہ السلام اور نشر حدیث

امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی کی شہادت کے بعد امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔آپ کی امامت کا دورانیہ ۵۰ہجری سے ۶۱ ہجری پر مشتمل تھا۔آپ نے بھی اپنے بھائی کی طرح حدیث کی تحریر اور اشاعت کی تاکید فرمائی ہے۔آپ نے مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے اور دوران سفر کئی مواقع پر مختلف قبائل کو قرآن اور حدیث کی تعلیمات پر مشتمل خطوط تحریر کیں۔جن میں لوگوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دوبارہ احیاکے لیے تعاون کرنے کی درخواست فرمائی۔امامؑ کے اکثر خطبات اور خطوط آج ہماری دسترس میں ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے امام کے اقوال ،ارشادات اور خطوط علم حدیث کے فروغ کے لیے ایک عظیم سرمایہ ہیں۔

دوسری طرف آپ کی جانب سے تدوینِ حدیث کی سفارش اور تاکید بھی اس بات کو نمایاں کرتی ہے کہ آپ اپنے آبا واجداد کی طرح حدیث کی نشر واشاعت کو اسلامی تعلیمات کے فروغ اور امت کی ہدایت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔اس کے علاوہ آپ نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں خطبات دیئے ان میں بھی اسلامی تعلیمات سے لوگوں کو بہرہ مند کیا، جیسا کہ منا میں آپ کا وہ خطبہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس میں آپ نے اپنی بات کو نقل کرنے اور لکھنے کی ہدایت فرمائی تھی:

"فان ھذا الطاغیه قد فعل بنا و شیعتنا۔۔۔اسمعوا مقالی و اکتبوا قولی ثم ارجعوا الی امصارکم و قبائلکم فمن امنتم من الناس و وثقتم به فادعوھم الی ما تعلمون من حقنا"۔(36)

یعنی: "تمہیں معلوم ہےاور تم مشاہدہ بھی کر رہے ہو کہ اس طاغوت نے ہمارے ساتھ کونسا رویہ اپنایا ہے میں تم لوگوں سے پوچھ رہاہوں اگر مجھے صادق سمجھتے ہو تو میری تصدیق کرو۔۔میری بات سنو اور اسے لکھ لو پھر اپنے قبائل اور شہروں کی طرف جاکے انہیں ہمارے حق کے بارے میں بتادو"

امام حسین نے اس قول "اکتبوا قولی" کے ذریعے حدیث لکھنے کو ضروری عمل سے تعبیر کیا چونکہ شیعہ مکتب میں ائمہ کی سنت بھی پیغمبر ﷺ کی سنت کی طرح حجت ہے۔لہٰذا اگر سنت کی نشر و اشاعت کے لیے امامؑ کی طرف سے حکم ہو تو اس پر پیغمبر ﷺ کے قول کی طرح عمل کرنا امت پر واجب ہے۔

امام سجاد علیہ السلام اور نشر حدیث

امام سجاد علیہ السلام کا کی امامت کا دورانیہ چونتیس سال پر محیط تھا جس میں آپ کو اپنے اجداد کی نسبت علمی مشاغل کے لیے نسبتا بہتر وقت میسر آیا جس کی وجہ سے آپ نے حدیث کی نشر واشاعت کے لیے زیادہ کام کیا۔آپ کے دور امامت میں آپ ہی کے تربیت یافتہ موثق شاگردوں کے کئی آثار سامنے آئے جو آج بھی تشنگان علم کی دسترس میں ہیں۔امام کے خاص شاگردوں اور راویوں میں سے ابی حمزہ ثمالی،سعید بن جبیر، زید بن علی بن حسین،داود بن یحییٰ اور آپ کی بیٹی علیہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔(37) شیخ طوسی نے اپنی رجال کی کتاب میں امام کے ۱۷۲شاگردوں کا نام لیا ہے جن میں سے بعض اپنے زمانے کے معروف محدث اور علما میں سے شمار ہوتے تھے۔(38) امام سجادؑ کے علوم حدیث کی نشر واشاعت کے لیے انجام دی جانی والی خدمات کو ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے:

الف۔"صحیفہ سجادیہ"

امام سجاد علیہ السلام کی حدیث کی اشاعت کے لئے انجام دی جانی والی گران قدر خدمات آپ کی دعاؤں پر مشتمل کتاب صحیفہ سجادیہ کے ذریعے مزید نمایاں ہوتی ہیں۔ یہ عظیم کتاب مکتب اہل بیت کے ماننے والوں کے لئے قرآن اور نہج البلاغہ کے بعد اہم اور مقدس ترین کتابوں میں سے شمار ہوتی ہے۔اس میں امام سجاد کی ۵۴ دعائیں ہیں۔ان دعاوں میں امام سجاد نے ستائش خدا کے ساتھ انسانی تربیت کے بہت سے راہنما نکات بیان فرمائے ہیں۔ان دعاوں کو امام محمد باقرؑ اور زیدؑ شہید نے تحریر کیا اور اسے سنہ ۵۱۶ ہجری میں احمد بن شہریار نے کتابی شکل دی۔ (39) اس کے اندر موجود دعاؤں کے مفاہیم کو مد نظر رکھتے ہوئے کئی جید علمانے اسے اہم اسلامی کتابوں میں سے ایک قرار دیا ہے۔اس کی سند سے

اغماض نظر بھی کر لیں تو خود دعائیں اور ان کے مفاہیم اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ کسی معصوم کی زبان سے ہی صادر ہوئے ہیں۔ صحیفہ سجادیہ در حقیقت امام سجادؑ کی بعض دعاوں پر مشتمل کتاب ہے امام سجادؑ کی کچھ اور بھی دعائیں ہیں جنہیں معروف محدث اور عالم دین میرزا نوری (محدث نوری) نے جمع کرکے ان کا نام "الصحیفۃ السجادیہ الثانیہ والثالثہ" رکھا ہے۔(40)

معروف عالم دین آقا بزرگ تہرانی نے اپنی کتاب" الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" میں صحیفہ سجادیہ کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے: "الصحیفة الاولی، المنتهی بسندها الی الامام زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؑ المعبر عنها" اخت القرآن" و" انجیل اهل بیت" و" زبور آل محمد" ویقال لها الصحیفة الکامله (41) یعنی: "پہلی صحیفہ، جس کے اسناد امام زین العابدینؑ تک متصل ہوتے ہیں کو" اخت القرآن"، "انجیل اهل بیت" اور زبور آل محمد کہا جاتا ہے اور اس کو صحیفہ کاملہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے"۔

ب۔ "رسالۃ الحقوق"

رسالہ حقوق امام سجادؑ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں آپ نے مومنین کی دوسروں سے متعلق اہم اخلاقی ذمہ داریاں بیان کی ہیں، جن میں والدین کی اولاد سے متعلق فرائض، اولاد کے والدین سے متعلق، میاں بیوں کے ایک دوسرے سے متعلق فرائض، ہمسائیوں کے حقوق، اساتذہ اور شاگردوں کے ایک دوسرے سے متعلق حقوق اور انسانی اعضا کے حقوق بیان ہوئے ہیں۔ اس رسالہ میں موجود اخلاقی مفاہیم کی اہمیت کی بنا پر اہم علما نے اس کا تذکرہ اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے جن میں سے "تحف العقول"، "خصال"، اور "من لا یحضرہ لفقیہ" کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے تمام مطالب "وسائل الشیعہ" (42) اور "تحف العقول" (43) سے اکٹھے کیے گئے ہیں۔ اس کتاب پر تقریباً پچاس شروحات تحریر کی گئی ہیں (44) جن میں سے علامہ سید حسن بن علی الحسینی القبانچی کی " شرح رسالۃ الحقوق" معروف ہے۔(45)

ج۔ "مناسک الحج"

امام سجادؑ سے منسوب حج سے متعلق فقہی احکام پر مشتمل کتاب ہے جو تیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کی تصحیح شدہ نسخے کو معاصر عراقی دانشور سید محمد بن حسین الجلال نے بغداد عراق سے شائع کیا ہے۔(46)

اس کے علاوہ امام سجاد سے منسوب کچھ اور کتابیں بھی مختلف اسلامی منابع میں نقل ہوئی ہیں جن میں سے امام سجادؑ کے شاگرد خاص ابو حمزہ ثمالی سے منقول " صحیفۃ الزھد" اور "الجامع فی الفقہ" کا نام لیا جاسکتا ہے۔(47) بحار الانوار میں موجود ایک روایت کے مطابق امام سجادؑ نے اپنی شہادت سے پہلے امام محمد باقرؑ کو ایک صندوق حوالہ کیا جس میں آپ کی مکتوب کتابیں موجود تھیں۔(48)

مختلف اسلامی منابع کی روشنی میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ قرن اول میں ائمہ اہل بیت کی حدیث کے فروغ کے لیے انجام دی جانے والی خدمات تھیں۔ قرن اول اسلامی تاریخ میں حدیث کے حوالے سے اچھے عنوان سے یاد نہیں کیا جاتا ہے چونکہ اس صدی میں نہ صرف مختلف احادیث رسول ﷺ کو جلایا گیا بلکہ اس کے ساتھ نقل اور نشر حدیث کرنے والے صحابہ اور تابعین کو اذیت اور آزار سے دوچار کیا گیا۔ اس کٹھن مرحلے میں ائمہ اہل بیتؑ نے رائج حکومتی پالیسی سے ہٹ کے حاصل وقت اور میسر فرصت سے تشنگان حدیث کو سیراب کیا۔ تمام اسلامی مکاتب میں صرف مکتب اہل بیت کو ہی یہ افتخار حاصل ہے کہ اس مکتب میں کسی بھی دور میں باقاعدہ اور مربوط علمی جمود نہیں رہا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ حکمرانوں کے جبر سے کئی اماموں کو علمی مشاغل کے لیے وقت میسر نہیں ہوا اس کے باوجود کبھی بھی اہل بیتؑ نے علم کے حصول اور اس کے نشر و اشاعت کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔

*****

حوالہ جات

1۔ مصطفوی، سید حسن، التحقیق فی کلمات القرآن، وزارت فرهنگ وارشاد اسلامی، ۱۳۶۸ش، ج۱ص ۱۶۹، تہران، ایران

2۔ قرشی، علی اکبر، قاموس قرآن، دارالکتب الاسلامیہ، ۱۳۷۱ش، ج۱ص ۱۳۵، تہران، ایران

3۔ ابن فارس، احمد بن فارس، معجم مقیاس اللغۃ، انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۴۰۴ق، ج۱، ص ۱۳۵، قم، ایران

4۔ احزاب، آیہ ۳۳

5۔ ھود، آیت ۴۶

6۔ مسلم بن حجاج، ابوالحسین، صحیح مسلم، دارالفکر، س ن، ج۶، ص ۳۔ ۴، بیروت، لبنان

7۔ العین ج ۳ص ۱۱۷

8 ۔ مفردات راغب، ص ۱۱۰

9۔ تحریم ۳، نسا ۸۷، نجم ۵۹

10۔ عاملی، محمد بہاوالدین، الوجیزۃ فی علم الدرایۃ، المکتبۃ الاسلامیہ الکبری، ۱۳۹۶ق، ص ۲، قم، ایران

11۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار ج ۱۰، موسسہ الوفا، ۱۴۰۳ق، ص ۱۲۰، بیروت، لبنان

12۔ ہندی، حسام الدین، کنزل العمال فی سنن الاقوال والافعال، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ق، ج ۲، ص ۲۰۱، بیروت، لبنان

13۔ فیض کاشانی، ملا محمد محسن، تفسیر صافی، دفتر نشر نوید اسلام، ۱۳۸۹ش، مقدمہ، ص ۱۱، قم، ایران

14۔ نصیری، علی، آشنائی باعلوم حدیث، مرکز حدیث حوزہ، ۱۳۷۷ش، ص ۵۷، قم، ایران

15۔ صفار، محمد بن حسن، بصائر الدرجات، منشورات مکتبۃ مرعشی، ۱۴۰۴ق، ص ۱۸۷، قم، ایران

16۔ علامہ حلی، حسن بن یوسف، مختلف الشیعہ، موسسہ النشر، ۱۳۷۴ش، ج ۹، ص ۲۹، قم، ایران

17۔ بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۳۴

18۔ بحار الانوار، ج ۹ص ۶۵۸

19۔ صدر، سید حسن، ، تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، اعلمی، ۱۳۷۶ش، ص ۳۱۸، تہران، ایران

20۔ شرف الدین، عبدالحسین، ، المراجعات، موسسہ النجاح، ۱۳۹۹ق، ص ۳۰۵، مصر

21۔ حسینی جلالی، سید محمد رضا، تدوین السنۃ الشریفہ، مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۴۱۳ق، ص ۱۳۷، قم، ایران

22۔ آقا بزرگ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج ۱۴، ص ۱۶۱، ۱۱۱

23۔ تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۱۳۸

24۔ تدوین السنۃ الشریفہ، ص ص ۱۴۳

25۔ نجاشی، احمد بن علی، رجال النجاشی، موسسہ النشر الاسلامی، ۱۴۰۵ق، ص ۶، قم، ایران

26۔ ایضا، ص ۸

27۔ ایضا، ص ۷

28۔ تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۱۴۰

29۔ الذریعہ، ج ۲۱، ص ۱۲۶

30۔ بصائر الدرجات، ص ۱۵۰

31۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۵، ص ۲۲۹

32۔ بصائر الدرجات ص ۱۸۷

33۔ کلینی، محمد بن یعقوب ،الکافی، دارالاضوا، ۱۴۰۵ق ،ج ا، ص ۲۳۵ کتاب الحجۃ، ح ۷، بیروت، لبنان

34۔ بصائر الدرجات ص ۱۸۷

35۔ طوسی، محمد بن حسن، رجال الطوسی، جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، ۱۳۷۹ش، ص ۳۹، قم، ایران

36۔ ذہبی، شمس الدین، ، سیر اعلام النبلا، موسسہ الرسالۃ، ۱۴۰۶ق، ج ۳، ص ۲۴۵، بیروت، لبنان

37۔ موسوی، علاوالدین، کتاب سلیم بن قیس، موسسہ البعثۃ، ۱۴۰۷ق، ص ۱۶۷، تہران، ایران

38۔ مودب، سید رضا، تاریخ حدیث، مرکز بین المللی جامعۃ المصطفیٰ، ۱۳۹۳ش، ص ۴۹، قم، ایران

39۔ رجال الطوسی، ص ۸۰۔ ۱۰۲

40۔ صحیفہ سجادیہ، سپہر، ۱۳۵۳ش، مقدمہ۔ ص ۲۴، تہران، ایران

41۔ حر عاملی، محمد بن حسن، وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، مکتبۃ الاسلامیہ الکبری، ۱۳۹۶ق ،ج ۱۱، ص ۱۳۱، تہران، ایران

42۔ الذریعہ ،ج ۱۵، ص ۱۸

43۔ وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، ،ج ۱۱، ص ۱۳۱، تہران، ایران

44۔ حرانی، حسن بن علی شعبہ، تحف العقول، (تصحیح علی اکبر غفاری)، کتاب فروشی اسلامیہ، ۱۴۰۰ق، ص ۲۵۵، تہران۔

45۔ الذریعہ ،ج ۱۳، ص ۳۴۶۔ ۳۵۹

46۔ تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۱۵۱

47۔ تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۱۵۱

48۔ قریشی، شریف، حیاۃ الامام زین العابدینؑ، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۷ق، ج ۲، ص ۲۱۹، قم، ایران